OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

مسلم برصغیر میں مذہبی رواداری اور سماجی ترقی: سکندر لودھی کے دورِ حکومت کا خصوصی مطالعہ

(Religious Tolerance and Social Development in the Muslim Subcontinent: A Study of *Sikandar Lodhī's* Reign)

Dr. Munazza Hayat
Associate Professor of Islamic Studies, BZU, Multan
Dr. Hafiz Muhammad Shahbaz
Associate Professor of Islamic Studies, UET, Lahore
Dr. Mian Saeed Ahmad
Assistant Professor of Pakistan Studies, The Islamia University of Bahawalpur

Abstract

This article focusing *Sikandar Lodhī's* (1458-1517) reign (1489-1517) presents a study of the tolerance and social development in the Muslim Subcontinent. Introducing *Lodhī's* reign, it highlights *Sikandar Lodhī's* steps for the development of none-Muslims specially Hindus. It maintains that despite of some of his radical dealings, *Sikandar Lodhī* was a man of good character; he was a poet having excellent poems with the pseudonym *Gulrukhī*. In his 28 years rule, *Lodhī* devoted most of his time to the welfare of the people and the state; he used to distribute money, clothes, shawls cooked grain and food among the poor. He gave stipends to the poor Muslims and non-Muslims. He established mosques, madrassas and bazaars. He ensured justice. Education was made compulsory for the soldiers. As a result, Persian education became common even among the Hindus. He gave government jobs to Hindus. During his time, Sanskrit books were translated into Persian. There was no restriction

on the spread of Hindu religious views during his empire. Some prominent Muslims themselves tried to understand the depths of Hinduism. It turns out that the government of the day allowed propagating religious ideas. The lives and deeds of *Kabīr, Gurū Nānak, Sundar Dās*, etc. can be understood in the context of the religious tolerance of Muslim rulers.

Key Words: Muslims rulers of Sub-continent, *Sikender Lodhī*, tolerance, social development

تمہید

برصغیر میں مسلم ادوارِ حکومت کے حوالے سے لوگوں میں مختلف طرح کے تاثرات پائے جاتے ہیں۔ایک تاثر یہ ہے کہ مسلم حکمرانوں نے یہاں مذہبی تعصب کا مظاہرہ کیا، مقامی لوگوں بالخصوص ہندوؤں کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنے، ان کا مال اسباب لوٹا، انھیں سلطنت کے امور و معاملات میں شریک نہیں ہونے دیا، وغیرہ۔اس ضمن میں دیگر مسلم حکمرانوں کے ساتھ ساتھ لودھی خاندان اور بہ طورِ خاص سکندر لودھی کو بھی موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے کہ وہ بہت متعصب تھا، اس نے ہندوؤں کے ساتھ سخت امتیازی سلوک روا رکھا، ان کی عبادت گاہیں منہدم کیں۔یہ عموماً کہا جاتا ہے کہ وہ چونکہ ایک ہندو عورت کے بطن سے تھا، اس لیے اس نے بنیاد پرست علما کے دباؤ میں آکر اسلام سے اپنی پختہ وابستگی باور کرانے کے لیے ہندوؤں کے حوالے سے سخت اقدامات اٹھائے۔اس مضمون میں تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ اس بارے میں حقیقتِ واقعہ کیا رہی ہے؟ مطالعے میں یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے کہ لودھی خاندان اور ان کے رویے اور کردار کا عمومی تعارف کرانے کے بعد سماج و معاشرت اور دیگر مذاہب بالخصوص ہندوؤں کے حوالے سے ان کو رویے اور کردار کو زیرِ بحث لالایا گیا ہے اور آخر میں نتائجِ بحث مرتب کیے گئے ہیں۔

لودھی خاندان اور اس کی حکومت: ایک تعارف

برصغیر پاک و ہند پر 1451 سے 1526 تک لودھی خاندان[1] حکومت کرتا رہا۔خاندان لودھی ہندوستان میں پہلا خالص افغان حکمران خاندان تھا۔ خلجی (1290-1320) اور تغلق خاندان (1320-1413) کے زمانے میں افغانی سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد سلطنت دہلی کی فوجوں میں بھرتی ہوئی اور جنوبی پنجاب اور مغربی دوآب کے اضلاع میں آکر بس گئی، ان میں لودھی قبیلہ اپنی تعداد کی کثرت اور بہادری کے اوصاف میں نمایاں حیثیت رکھتا تھا۔ بہلول لودھی کے دادا بہرام لودھی نے تجارت میں بڑا نام پایا۔ اس کی اولاد کو آخری تغلقوں (سلطان فیروز شاہ تغلق 1351-1388) نے بڑے بڑے عہدوں پر فائز کیا۔ سلطان محمود تغلق (1394۔1413) کی وفات کے بعد دہلی میں کئی سال تک ہنگامے رہے اور سید خاندان (1414-1451) مضبوط

[1] پچھتر سالہ دور حکومت میں تین لودھی حکمران گزرے: 1۔ بہلول لودھی (1451-1489)، 2۔ سکندر لودھی (1489-1517)، 3۔ ابراہیم لودھی (1517-1526)۔

حکومت قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ 1451 میں لاہور اور سرہند کے پٹھان صوبے دار بہلول لودھی (1451-1489)[2] نے دہلی پر قبضہ کر کے ایک دفعہ دوبارہ مضبوط حکومت قائم کر دی۔ دہلی پر قبضہ کرنے کے بعد بہلول لودھی کی جونپور کے والی سلطان محمود شرقہ سے مختلف اوقات میں لڑائیاں ہوتی رہیں، یہاں تک کہ سلطنت شرقی کا آخری فرمانروا شکست کھا کر بنگالہ چلا گیا اور بہار تک کے علاقے پھر دہلی کے ماتحت ہو گئے۔[3]

مسلمانوں کے ہندو خواتین سے نکاح و بیاہ کے تعلقات شہاب الدین غوری (م1206) کے دور سے شروع ہو گئے اور مسلم حکمرانوں نے خود ہندو شاہزادیوں سے نکاح کیے۔[4] چنانچہ بہلول لودھی نے بھی ہندو خاندان میں شادی کی، جس سے سکندر لودھی کی ولادت ہوئی۔ اڑتیس سال آٹھ ماہ حکومت کرنے کے بعد بہلول لودھی 1489 میں وفات پا گیا[5] اور اس کی جگہ اس کا بیٹا نظام خان تخت نشین ہوا۔[6]

سکندر لودھی کا عہدِ حکومت، مہمات وفتوحات اور بت خانوں کی جگہ مساجد کی تعمیر

نظام خان نے تخت نشینی کے بعد سکندر لودھی (1489-1517) کا لقب اختیار کیا۔[7] 1495 میں سکندر لودھی سنبھل کی طرف گیا اور وہاں مستقل چار سال یعنی 1499 تک عیش و آرام میں گزارا۔ اس دوران دہلی میں بغاوت ہوئی جو کہ ماچیواڑہ کے

---

[2] بہلول لودھی کے بچپن میں اس کے باپ کا انتقال ہو گیا، لہٰذا اس کی پرورش اس کے چچا سلطان شاہ لودھی نے کی۔ وہ حاکم ملتان خضر خان کی ملازمت سے وابستہ تھا۔ خضر خان نے اس کی خدمات سے خوش ہو کر اس اسلام خان کا خطاب دے کر سرہند کا حاکم مقرر کیا تھا۔ بہلول لودھی مذہب کا بہت پابند تھا۔ زیادہ تر سفر و سیاحت میں درویش صفت لوگوں کی خدمت میں رہتا۔ افغانیوں سے بہت اچھا سلوک کرتا تھا۔ افغانی امرا کے سامنے کبھی تخت پر نہ بیٹھتا، بلکہ مساوات کے قانون کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے ساتھ فرش پر بیٹھتا۔ دہلی فتح کر کے سابق بادشاہوں کی جو ملکیت اور خزانہ ملا، وہ تمام افغانی امرا میں برابر تقسیم کیا اور خود بھی ایک حصّہ اپنے لیے رکھا۔ مغل سپاہ کی بہادری پر اسے بہت اعتماد تھا، اس لیے مغل شاہزادوں اور سپاہیوں کی تعداد بیس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ (قاسم محمد فرشتہ: تاریخ فرشتہ (لاہور: بک ٹاک، 1991)، 67:2، سید ہاشمی فرید آبادی، محمد بن قاسم سے اورنگ زیب عالمگیر تک (لاہور: ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، 1989)، 326۔

[3] نظام الدین احمد خواجہ، طبقات اکبری (لاہور: اردو سائنس بورڈ اپر مال، 2008)، 427:1۔

[4] پروفیسر خلیق احمد نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات (لاہور: نگارشات، ٹیمپل روڈ، 1990)، 21، 26۔

[5] جہاں تک جہاں داری اور حکومتی اُمور کا تعلق ہے، اس میں بہلول لودھی کو مہارت حاصل تھی۔ جلد بازی سے کام نہ لیتا تھا، ہمیشہ رعایا پروری اور عدل و انصاف میں اپنی زندگی گزاری۔ بہلول لودھی نے ایک مسلمان درویش کے مشورے سے کورکھیت کے ایک تالاب کو استعمال کرنے کی مسلمانوں کی درخواست نامنظور کر دی، جسے پہلے سے ہی ہندو استعمال کرتے آئے تھے۔ (خواجہ، طبقات اکبری، 433:1۔)

[6] خواجہ، طبقات اکبری، 435:1

[7] سکندر لودھی کی ماں کا نام زیبا تھا جو ایک ہندو سنار کی بیٹی تھی، بہلول لودھی نے اس کے حسن سے متاثر ہو کر شادی کی تھی (خواجہ، طبقات اکبری، 452:1)۔ سلطان سکندر لودھی کی وفات کے بعد اس کا سب سے بڑا بیٹا ابراہیم لودھی (1517-1526) آگرہ میں تخت نشین ہوا تھا۔ سلطان ابراہیم لودھی کی امرائے سلطنت سے زیادہ نہ بن سکی، کیونکہ امرا کا خیال تھا کہ سلطان ان پر اعتماد نہیں کرتا۔ ادھر سلطان یہ خیال کرتا تھا کہ زیادہ تر امرا غدّار ہیں جو موقع ملتے ہی اس کے خلاف ہو جائیں گے۔ چنانچہ ابراہیم لودھی کے دور میں افغان امرا نے کئی بغاوتیں کیں جن کو دبا دیا گیا۔ بالآخر

حکمران خواص خان کے ذریعے دبا دی گئی۔ 1504 میں سکندر لودھی نے آگرہ شہر کی بنیاد رکھی اور دہلی چھوڑ کر اسے اپنادارالحکومت بنایا تاکہ موجودہ یوپی اور راجپوتانہ کے علاقوں پر بہتر نگرانی ہو سکے۔ آگرہ کو دارالحکومت بنانے کے بعد سکندر لودھی نے دھولپور اور گوالیار کے راجوں کو مطیع کیا۔ 1504 میں ایک طویل محاصرے کے بعد قلعہ اوتنگر فتح ہوا۔[8] آگرہ کو دارالحکومت بنانے کے بعد سلطان نے برسات کا موسم یہیں گزارا۔ 1505 میں سلطان قلعہ مندرایل فتح کرنے کے ارادے سے آگرہ سے روانہ ہوا۔ایک مہینہ تک دھولپور کے آس پاس رہا۔گوالیار اور مندرایل کے گردونواح میں مہمات میں مصروف رہا،اس کے بعد قلعہ مندرایل خود جاکر فتح کیا۔اہل قلعہ نے محاصرہ کے خوف سے گھبرا کر خود ہی قلعہ سلطان کے ہاتھ دے دیا۔سلطان نے مندرایل کے سارے بت خانے تباہ کر کے مساجد بنوائیں اور ایک معتمد کے ہاتھ میں قلعہ کا انتظام سپُرد کر کے خود دھولپور چلا گیا۔دھولپور کی حکومت کی باگ ڈور شیخ فخر الدین کے سپُرد کر کے سلطان آگرہ واپس آگیا۔[9] 1514 میں سلطان دھولپور سے ہوتا ہوا قلعہ اودیت نگر (اودیت گڑھ) کی طرف چلا،کیونکہ سلطان سمجھتا تھا کہ اگر اس قلعہ کو فتح کر لیا تو پھر گوالیار کو فتح کرنا اور اس کے قلعہ پر قبضہ کرنا مشکل نہ ہو گا۔سکندری فوج نے بہادری کے جوہر دکھائے اور فتح سکندر لودھی کے ہاتھ میں رہی۔ ملک علاء الدین کی طرف کی دیوار ٹوٹ گئی اور اس راستے سے سکندری فوج قلعہ کے اندر گھس گئی۔ قلعہ والوں نے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کی مگر کارگر نہ ہوئی اور قلعہ فتح کر لیا گیا۔ہندو راجپوتوں نے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے گھروں کو آگ لگا دی اور اپنے اہل وعیال کو قتل کر دیا۔سلطان نے شہر کے بت خانے مسمار کر کے ان کی جگہ پر مساجد بنوا دیں یہاں سے واپس آگرہ براستہ دھولپور سلطان سکندر لودھی واپس چلا گیا۔[10]

1516 میں سلطان نے نرور کے قلعہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔پہلے جلال خان جو حکمران کالپی تھا،اس کے پاس سلطان نے پیغام بھیجا کہ جاکر نرور کے قلعہ کو گھیرے اور اگر اہل قلعہ صلح کے خواہش مند ہوں تو ان کی خواہش مان لی جائے۔ حکم ملتے ہی جلال خان نے قلعہ کو جا کر گھیر لیا،اس کے پیچھے سکندلودھی خود بھی پہنچ گیا۔اس نے قلعہ نرور جس کا رقبہ آٹھ کوس تھا ایک سال تک گھیرے رکھا،اس عرصہ میں ہزاروں سپاہی ختم ہو گئے۔آٹھ ماہ گزرنے کے بعد سلطان کو معلوم ہوا کہ قلعہ کے لوگوں سے شاہی امرا کی ساز باز ہو گئی ہے۔سکندر لودھی نے ردّ عمل کے طور پر پہلے جلال خان کے بہترین اور قابل اعتماد بندوں کو اپنے قبضے میں کیا اور جلال خان کو بعد میں گرفتار کروالیا۔اس واقعہ کے بعد اہل قلعہ پانی اور اناج کی کمی کی وجہ سے پریشان ہو گئے،سو انھوں نے سلطان سے معافی مانگی اور قلعہ سے اپنی جان بچا کر بھاگ نکلے۔سکندر لودھی نے قلعہ پر قبضہ کرنے کے بعد چھ ماہ کے

1526 میں بابر نے ہندوستان پر حملہ کر دیا۔پانی پت کے میدان میں خون ریز معرکہ آرائی ہوئی،دونوں میں شدید مقابلہ ہوا،بابر کو فتح حاصل ہوئی اور سلطان ابراہیم لودھی جنگ میں مارا گیا۔یوں دہلی کی حکومت امیر تیمور کی اولاد کے پاس منتقل ہو گئی۔سلطان ابراہیم لودھی نے کل نو سال حکومت کی۔(فرشتہ، تاریخ فرشتہ،2:83 ۔)

[8] فرشتہ، تاریخ فرشتہ، 2:72۔

[9] قلعہ مندرایل کا اب کہیں نام ونشان نہیں ملتا لیکن اکبر کے زمانے میں منڈلائر ایک سرکاری کا زمانہ تھا اور وہ ریاست گوالیار کا جنوب مغربی حصّہ ہے اب مندرایل سے مراد منڈلائیر ہے۔(فرشتہ، تاریخ فرشتہ 2:72)۔

[10] فرشتہ، تاریخ فرشتہ، 2:72۔

اندر یہ تبدیلیاں کیں کہ بُت خانے توڑ ڈالے اور مساجد وہاں بنوا دیں، وہاں علما خطیب اور مفتی مقرر کیے، طلبہ کے وظائف مقرر کیے اور وہاں ان لوگوں کو مستقل سکونت کے لیے وظیفے بھی دیے۔[11]

سلطان سکندر لودھی کو 1517 میں گلے کا مرض لاحق ہو گیا، یہاں تک کہ سلطان کے حلق کے نیچے نوالہ جانا مشکل ہو گیا، اسی حالت میں اس کا انتقال ہو گیا۔[12]

ہندوؤں سے سلوک کے حوالے سے سکندر لودھی کی سختی کا پس منظر

ہندوؤں سے برتاؤ کے سلسلے میں سکندر لودھی بدنام ہے، خود مسلمان مؤرخین نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ اسلام میں تعصّب اس حد تک رکھتا تھا کہ سرحد افراط تک پہنچ گیا تھا۔[13] لیکن اس بات کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ اس نے یہ تعصّب اس لیے اختیار کیا کہ عام مسلمان یا اس کے ہم قبیلہ افغان اسے ہندو ماں کے پیٹ سے ہونے کا طعنہ نہ دے سکیں۔[14] ہو سکتا ہے اس کے تحت الشعور میں یہ احساس بھی کام کر رہا ہو، لیکن اس کی پوری مذہبی پالیسی اس ایک نقطہ کے گرد نہیں گھومتی تھی۔ سکندر کے مذہبی تعصّب میں شک نہیں لیکن عبداللہ اور دیگر مؤرخین نے جس انداز میں مندروں کے انہدام کے بارے میں لکھا ہے، وہ حقیقت سے دور ہے۔ نگر کوٹ اور متھرا میں سکندر نے تعصّب سے کام لے کر سختی کا برتاؤ کیا، لیکن سلطنت کے اور حصّوں میں تخریب منادر کے لیے کوئی کوشش نہیں کی گئی۔[15]

بظاہر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس نے ہندوؤں پر سختی کی، لیکن در حقیقت، جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا ہندوؤں کے حوالے سے اس کے اقدام عوام الناس کے حوالے سے نہ تھے، بلکہ سلطنت کے لیے خطرے کا باعث ہندو اشرفیہ کے حوالے سے تھے۔ دراصل سکندر لودھی نے مندروں کے انہدام کے حوالے سے مذکورہ بالا نوعیت کی جو سزائیں دیں وہ فی الواقع مخصوص شہر کے خلاف ناراضگی کا اظہار تھا، اس سے اس کی عام حکمت عملی اور کردار کا اظہار نہیں ہوتا۔ اس نے قلعوں میں موجود اشرافیہ سے جنگ کی اور ان کے اقتدار کی علامتوں کو تباہ کیا۔ اس عہد میں قلعے اور اس کے مندر محض عبادت گاہیں نہ تھے، بلکہ وہ فوجی چھاؤنیاں اور سیاسی غلبے کے نمائندہ تھے۔

سکندر لودھی کا سماجی و علمی اور روادارانہ کردار

سکندر لودھی ایک باذوق انسان تھا، طبیعت شاعری کی طرف مائل تھی، عمدہ و پاکیزہ اشعار لکھا کرتا تھا، اس کا تخلص گلرخی تھا۔ سلطان سکندر لودھی کے دور حکومت میں ہی "فرہنگ سکندری" اور دوسری علمی و ادبی کتابیں لکھی گئیں۔ سلطان سکندر لودھی نے اٹھائیس سال پانچ ماہ حکومت کی۔ سکندر لودھی کی طبیعت کافی سادہ تھی۔ اپنا بیشتر وقت انتظام مملکت اور عوام کی بہتری و خوشحالی لانے میں صرف کرتا، سردیوں میں غریبوں میں کپڑے اور شالیں تقسیم کرتا، عدل و انصاف سے کام لیتا، عوام

---

[11] فرشتہ، تاریخ فرشتہ، 2:79۔

[12] فرشتہ، تاریخ فرشتہ، 2:81۔

[13] خواجہ، طبقات اکبری، 1:480۔

[14] نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، 467۔

[15] نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، 467۔

سے مہربانی سے پیش آتا، ہر جمعہ شہر کے تمام فقرا میں پیسے تقسیم کرتا، روزانہ اناج اور کچھ کھانا پکوا کر غریبوں میں بانٹتا، غریبوں کو وظیفے دیتا۔[16]

ہندوؤں کے لیے تعلیم و ترقی کے مواقع

سکندر لودھی ہی وہ شخص تھا جس نے ہندوؤں کے لیے سلطنت کے اعلیٰ عہدوں تک پہنچنے کے ذرائع مہیا کیے۔ اس نے ہندوؤں کے لیے فارسی کے مطالعہ کی راہیں کھولیں، ان کے لیے علوم میں دلچسپی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی ان کو فارسی کی تعلیم کی ترغیب دی، اور غیر مسلموں کو فارسی لکھنے پڑھنے پر لگایا، اس وقت تک ان میں اس کا رواج نہیں تھا۔[17] فارسی کی تعلیم کے ذریعے ہندوؤں کے اس قابل بنانا مقصود تھا کہ وہ حکومت و سلطنت میں مختلف عہدوں پر فائز ہونے کے اہل ہو سکیں۔ معاملہ اور لگان کا حساب کتاب اسلامی حکومت کے آغاز سے ہندو، محاسبوں، پٹواریوں اور قانون گوؤں کے ہاتھ میں تھا۔ وہ اب تک یہ حساب کتاب ملکی زبانوں میں رکھتے تھے۔ یہ طریقہ مسلمان حکمرانوں کے لیے نقصان دہ ہو سکتا تھا کیونکہ ان میں سے جو کوئی علاء الدین خلجی (1295-1315) جیسا سخت گیر حکمران عوام کی خاص جماعتوں کے پاس زیادہ دولت جمع ہونے کو فتنہ کا باعث سمجھنے والا ہوتا، وہ تو عوام سے جو کچھ وصول ہوتا، وصول کر لیتا۔ لیکن عام سلاطین کی حالت مختلف تھی۔ ان کا لگان اور معاملہ پٹواریوں اور قانون گوؤں کے حساب کتاب پر منحصر تھا اور اس میں یہ لوگ بڑی مؤثر کمی بیشی کر سکتے تھے۔ چنانچہ سکندر لودھی نے اس بد نظمی کو مٹایا اور بعض دفاتر (ریکارڈ) کی نسبت حکم دیا کہ وہ فارسی میں رکھے جائیں۔ اس مقصد کے لیے بہت سے ہندو ملازمین نے فارسی سیکھی اور ہندوؤں کی اس جماعت نے محنت و ذہانت کے سہارے ادبی درجہ حاصل کر لیا۔ عہد سکندری میں ایک برہمن شاعر کا ذکر بھی ملتا ہے۔ عہد سکندری کی ایک تصنیف معدن الشفا یا طب سکندری ہے، اس کا مصنّف میاں بھوہ امرائے سکندری میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ اس نے سکندر لودھی سے کہا کہ یونانی ادویہ اور ہندوستانی طبیعتوں میں کوئی خاص مناسبت نہیں، اس لیے حکمائے ہند کی کتابوں کا فارسی زبان میں ایک ایسا خلاصہ مرتّب ہونا چاہیے جس میں تمام ہندوستانی اطبّا کے نسخے اور کئی امراض کے لیے مختلف دوائیوں کا ذکر ہو۔ سلطان نے یہ بات مان لی اور میاں بھوہ نے پانچ سو صفحات پر مشتمل ایک کتاب تالیف کی جس میں گیارہ سو سات امراض اور ان کے لیے مناسب دواؤں کا ذکر تھا۔ ہندوستان میں اسلامی طب کی تدوین و ترقّی میں اس کتاب کو تاریخی اہمیت حاصل ہے۔[18]

باقاعدہ اور عمومیت کے ساتھ ہندوؤں میں فارسی تعلیم کا رواج سلطان سکندر لودھی کے زمانہ سے ہی ہوا۔ سکندر لودھی نے ہندوؤں کے نہان[19] کی جگہوں میں مساجد، مدرسے اور بازار قائم کیے، سپاہیوں کے لیے تعلیم لازمی قرار دی گئی، جس کا نتیجہ یہ

---

[16] فرشتہ، تاریخ فرشتہ، 79:2۔

[17] نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، 467۔

[18] نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، 458۔

[19] اشنان کا میلہ یعنی جسم پر پانی بہانا، ڈبکی لگانا، (شان الحق حقی، فرہنگ تلفظ (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 2002ء)، 948، 53۔

ہوا کہ ہندوؤں میں بھی عام طور پر فارسی تعلیم رائج ہو گئی۔[20] اس نے ہندوؤں کو سرکاری ملازمتیں دیں ،اس کے دور میں سنسکرت کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔[21]

ہندو ادبائے فارسی میں پنڈت ڈونگر مل سکندر لودھی کے زمانہ میں تھے۔ ان کی فارسی زبان دانی پر مسلمان بھی تعجب کا اظہار کرتے تھے۔ کبھی کبھی فارسی شعر بھی کہتے تھے، چنانچہ ان کا یہ ایک شعر ارباب تذکرہ نقل کرتے ہیں:[22]

دل خون نشدے چشم تو خنجر نشدے گر
رہ گم نشدے، زلف تو ابتر نشدے گر

ہندووں کو تبلیغ کی اجازت اور ہندو مسلم عقائد کو ملانے والے بزرگوں کا ظہور

عہد سلطنت میں ہندوؤں کے مذہبی خیالات کی تبلیغ و اشاعت پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ خود بعض اکابر مسلمان ہندو مذہب کی گہرائیوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ چودھویں صدی کے آخر میں بھگتی تحریک جب ملک میں پھیلی اس سے یہ بات نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ اس وقت کی حکومت نے مذہبی خیالات کی نشر واشاعت میں مانع ہونا پسند نہیں کیا۔ کبیر، گرو نانک، سندر داس وغیرہ کی زندگیاں اور ان کے کارنامے مسلمان بادشاہوں کی مذہبی رواداری کے پس منظر میں سمجھے جاسکتے ہیں۔[23] کوئی بھی مسلمان حکمران ہندوؤں کو اپنے ہم مذہبوں میں تبلیغ کرنے سے نہیں روکتا تھا۔ اسلام کے ساتھ رابطے نے ہندوؤں میں ایک عظیم تحریک احیا کو فروغ دیا، جس کی سربراہی بھگتی کے ان رہنماؤں نے کی جو دلفریب شاعری اور باطنی محبت وعقیدت کا ورثہ چھوڑ گئے۔ صرف کبیر ہی وہ مسلمان نہیں تھا، جس پر بھگتی کے دبستانوں کی تعلیمات کا گہرا اثر پڑا۔ بعض مسلمانوں نے تو ان کی تعلیمات کو قبول بھی کر لیا اور ہندو مذہبی معلموں کے مرید ہو گئے۔ اس امر کا کوئی ذکر نہیں پایا جاتا کہ اس ہندو عقیدے کی مسلمانوں میں تبلیغ کو روکنے کی کوشش کی گئی ہو۔ سکندر لودھی کے دور حکومت میں ایک ہندو برہمن نام مسلمانوں کو درس دیتا تھا۔[24]

لودھی دور حکومت کی مذہبی رواداری کی ایک اہم دلیل یہ بھی ہے کہ اسی دور میں کئی ایسے لوگ سامنے آئے، جنھوں نے ہندو مسلم عقائد کو ملانے کی کوشش کی، لیکن ان کے ساتھ کوئی سختی نہیں کی گئی۔ کبیر (1440-1518)، جنھیں تذکرہ اولیائے ہند میں شیخ کبیر جولاہہ قدس سرہ لکھا ہوا ہے، حضرت تقی سہروردی کے خلیفہ تھے، آپ ایک ایسی شخصیت تھے کہ ہندو مسلمان دونوں گروہ آپ کے معتقد تھے۔ آپ ہی کی تقلید گورونانک (1469-1538) نے کی۔ اس تحریک کو بھگتی تحریک کا نام دیا گیا۔[25]

سکندر لودھی غالباً ایک قدیم رواج کے مطابق اپنی سلطنت کے غریبوں میں پکا ہوا کھانا اور اجناس خوراک تقسیم کرتا تھا۔ سردیوں کے موسم میں کمبل اور پہننے کے کپڑے تقسیم کیے جاتے تھے۔ خام اجناس خوراک غالباً ہندوؤں کے لیے ہوتی تھی

---

[20] سید سلیمان ندوی، ہندوؤں کی تعلیم مسلمانوں کے عہد میں، 36۔

[21] ثروت صولت، ملت اسلامیہ کی مختصر تاریخ (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز پرائیویٹ لمیٹڈ، 2004ء)، 2:194۔

[22] صباح الدین عبد الرحمٰن، مقالات سلیمان (اسلام آباد: نیشنل بک فاونڈیشن، 1989ء)، 1:59 ۔

[23] نظامی، سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات، 74 ۔

[24] بدایونی، منتخب التواریخ (لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، 1962)، 1: 323۔

[25] اکرام، آب کوثر، 465۔

جو کسی مسلمان کا پکا ہوا کھانا نہیں کھاتے تھے۔ لودھی خاندان کے ماتحت ہندو سرداروں کو دوستوں یا دشمنوں کی حیثیت سے حقیر نہیں سمجھا جاتا تھا اور انہیں ذمہ داری کے عہدے دیئے جاتے تھے۔[26]

فتاویٰ میں غیر مسلموں سے منصفانہ سلوک کی بحثیں

سکندر لودھی کے دور کا فتاویٰ حمادیہ عربی زبان میں ایک فقہی مخطوطہ ہے، جو فقہ احناف کے مسائل پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ابوالفتح رکن الدین بن حسام الدین المفتی الناگوری کی نویں صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ اس کی تالیف کا محرک چونکہ قاضی حماد الدین احمد تھے جو گجرات کے شہر نہر والہ میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے، اس لئے فتاویٰ کی نسبت ان کی طرف ہے۔[27]

فتاویٰ حمادیہ میں جزیہ سے متعلق اس اہم سوال پر روشنی ڈالی ہے کہ اسلامی حکومت میں جزیہ کن لوگوں سے لیا جائے گا اور کون لوگ اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اس ضمن میں مصنف نے کتاب السیر میں مسئلہ جہاد کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے صاحبین (امام ابو یوسف اور امام محمد) کے نقطہ نظر کے حوالہ سے دس قسم کے افراد کی نشاندہی کی ہے جن سے جزیہ وصول نہیں کیا جائے گا: (1) بچوں سے (2) راہبان (گیان و دھیان کے لئے وقف افراد) سے (3) اندھوں سے (4) فاتر العقل لوگوں سے (5) غلاموں سے (6) شیخ فانی (قریب المرگ بوڑھا) سے (7) دائمی مریض سے (8) ان لوگوں سے جن کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں (9) ان سے جو فقط عبادت گزار ہوں (10) معاشرہ کے نادار اور مفلس افراد سے۔ مزید براں مصنف نے اس ضمن میں امام ابو یوسف کا یہ قول بھی نقل کیا کہ مفلوج سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ (ورق 125) اس سے آگے چل کر فتاویٰ حمادیہ کے مصنف مزید لکھتے ہیں کہ اگر اسلامی مملکت میں ذمی ایک سال کسی مرض میں مبتلا رہتا ہے اور مرض نے اسے کسی کام کے قابل نہیں رہنے دیا تو اگرچہ وہ آسودہ حال ہو اس پر جزیہ واجب نہیں۔[28]

اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کی موجودگی کے بارے میں فتاویٰ حمادیہ کے (کتاب السیر) میں بھی بحث کی گئی ہے (دیکھیے ورق 127-125) مصنف نے اس ضمن میں اس سوال کا جواب دیا ہے کہ غیر مسلم اور ذمی خالص اسلامی مملکت میں اپنی عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں۔ مصنف نے مختلف فقہا کے اقوال درج کیے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے: 1۔ اگر پرانی عبادت گاہیں منہدم ہو جائیں یا قابل مرمت ہوں تو ان کی دوبارہ تعمیر اور مرمت کرا سکتے ہیں۔ 2۔ نئی عبادت گاہیں تعمیر کرنا ضروری ہو تو اپنے رہائشی مکانوں میں تعمیر کر سکتے ہیں کیونکہ وہ اصلاً مکان ہی کے حصہ میں شامل ہوتی ہیں اور اسی کے تابع قرار پاتی ہیں۔ یہ رعایت بھی شہروں تک محدود رہے۔ دیہات اور بستیوں میں اس کی اجازت نہیں اس لیے کہ خطرہ ہے کہ وہ دیہات میں اپنے مراکز قائم کر کے وہاں کے ناواقف اور سادہ مزاج لوگوں کو گمراہ کریں گے۔ 3۔ جن آبادیوں کے دیہات میں اہل ذمہ زیادہ تعداد میں آباد ہوں، وہاں کے دیہات کے رہائشی مکانوں میں بھی وہ عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے ہیں۔ 4۔ قدیم عبادت گاہیں کسی صورت منہدم نہیں کی جائیں گی۔ 5۔ اگر کوئی غیر مسلم علاقہ جنگ کے ذریعہ فتح کیا جائے تو اس میں غیر

---

[26] اشتیاق حسین قریشی، سلطنت دہلی کا نظم حکومت، 236، 203 ۔

[27] محمد اسحٰق بھٹی، بر صغیر پاک و ہند میں علم فقہ (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، 1973ء)، 131، 126۔

[28] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: منزہ حیات، سعید الرحمٰن، "غیر مسلموں کے بارے میں بر صغیر کے فتاویٰ کا نقطۂ نظر (تیرھویں تا پندرھویں صدی عیسوی کا ایک مطالعہ)۔" پاکستان جرنل آف اسلامک ریسرچ سنٹر، نمبر 10، (2012) :115۔

مسلموں کی عبادت گاہیں اس صورت میں منہدم کی جاسکتی ہیں کہ خطرہ ہو کہ انھیں مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا مرکز بنالیا جائے گا۔ اگر کوئی علاقہ صلح کے ساتھ قبضہ میں لیا جائے تو اس کی عبادت گاہوں کا انہدام نہیں کیا جائے گا۔
فتاویٰ حمادیہ سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ مسلم ریاست میں غیر مسلموں کو نئی عبادت گاہوں کی تعمیر کی اجازت ہو گی یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ شہروں میں انھیں اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرنے کی اجازت نہیں ہو گی بالخصوص ان شہروں میں جنھیں مسلمان اپنے مصالح اور ضروریات کے تحت آباد کریں جیسے کوفہ اور بصرہ، اس لیے کہ ان شہروں کی حیثیت اسلام کے تہذیب مراکز کی ہے، البتہ قدیم شہروں میں ان کی جو عبادت گاہیں پہلے سے موجود ہیں وہ باقی رہیں گی، جیسے بغداد میں روم کا گرجاگھر۔ جن علاقوں میں ذمیوں کی آبادیاں ہیں وہاں وہ اپنی عبادت گاہیں تعمیر کرسکتے ہیں۔ اگر کسی علاقہ کے لوگوں کی مسلم ریاست سے اس بات پر صلح ہو جائے کہ پورے علاقہ پر یا اس کے کسی ایک حصہ پر قبضہ ان کا رہے گا اور وہ خراج ادا کریں گے تو صلح کے مطابق زمین ان کی ہو گی اور اس میں وہ اپنی عبادت گاہیں اور گرجے تعمیر کرسکتے ہیں۔ مذکورہ بالا فتویٰ سے اس تجزیہ میں مدد ملتی ہے کہ آج کل زیادہ تر آبادیاں مخلوط ہیں اور بڑے شہروں میں کئی مذاہب کے ماننے والے ایک ساتھ رہتے ہیں تو اگر ان میں سے کوئی بھی جماعت اپنی عبادت گاہ تعمیر کرنا چاہے تو اس کی واضح ممانعت قرآن کریم یا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔

سکندر لودھی کی سختی

سکندر لودھی کی بہت سی خوبیوں کے باوجود یہ بات بھی حقیقت ہے کہ اس کی طبیعت میں سختی تھی اور جب کسی مسئلے پر دو رائیں ہوتیں تو بعض اوقات وہ سخت رائے کو ترجیح دیتا۔ چنانچہ جس زمانے میں ابھی وہ ایک علاقے کا گورنر تھا اسے پتہ چلا کہ تھانیسر میں ایک حوض ہے جہاں بہت سے ہندو جمع ہیں اور تالاب میں نہانے اور مندر میں پرستش کرنے کے علاوہ انھوں نے وہاں ہنگامہ مچا رکھا ہے۔ سکندر لودھی نے ارادہ کیا کہ انھیں فوراً تہ تیغ اور مندر کو مسمار کیا جائے۔ اس سلسلے میں پہلے اس نے ملک العلماء عبداللہ سے مشورہ کیا، ملک العلماء نے فتویٰ دیا کہ ذمیّوں کی پرانی عبادت گاہ کو مسمار کرنا شرع میں نہیں ہے۔ (بت خانہ قدیم راویران ساختن جائز نیست) نیز ہندوؤں کے اشنان کی پُرانی رسم بند کرنا ناجائز ہے۔ سکندر لودھی کو یہ سن کر غصّہ آگیا اور اس نے اپنے خنجر کو پکڑ کر کہا کہ تم بھی کفّار کے ساتھی ہو، میں پہلے تمھارا خاتمہ کروں گا پھر کفّار کا۔ ملک العلماء عبداللہ نے جواب دیا کہ ہر ایک کی زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے اور اس کے حکم کے بغیر کسی کو موت نہیں آسکتی، تم نے جو کچھ مجھ سے پوچھا تھا میں نے اس کا احکام نبوی کے مطابق جواب دیا، اگر تمھیں میرا جواب سننا منظور نہ تھا تو مجھ سے کیوں پوچھا تھا؟ اس جرأت کی وجہ سے سکندر لودھی کا غصّہ ٹھنڈا ہو گیا اور وہ اپنے ارادے سے باز رہا۔[29]
اس زمانے کا ایک مشہور واقعہ یہ ہے کہ ایک دن ایک ہندو جس کا نام یودھن تھا اور موضع کاتین کا رہنے والا تھا۔ اس نے ایک دن ایک مسلمان کے سامنے کہہ دیا کہ مسلمانوں کا مذہب سچّا ہے اور ہندو مذہب بھی حق پر ہے۔ [30] لیکن چونکہ یودھن کے

---

[29] خواجہ، طبقات اکبری، 481:1

[30] یہی خیال کبیر (1425۔1398) اور بابانانک (1539۔1469) نے بھی ظاہر کیا تھا اور مسلمان ان دونوں کی قدر کرتے تھے۔ اس کے علاوہ صوفیوں کے اقوال اور مسلمان شعرا کے کئی اشعار بھی اس خیال کی تائید میں موجود ہیں۔ (شیخ محمد اکرام، آب کوثر (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ، 1994)، 456:2۔)

معاملہ میں علما میں اختلاف موجود تھا اس لیے اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے ایک مباحثہ منعقد کرایا گیا، جس میں تمام علما نے یہ رائے دی کہ چونکہ یودھن نے اسلام کی صداقت تسلیم کرلی ہے، اس لیے وہ مسلمان ہو گیا اور اس کے بعد اگر وہ کسی دوسرے مذہب کی صداقت مانے گا تو مرتد ہو جائے گا۔ چونکہ مرتد کی سزا موت ہے اس لیے یودھن کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے، اگر وہ منکر ہو تو پھر قید کر کے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ اس منطق کی بنیاد پر کہ یودھن نے اسلام کی سچائی تسلیم کرنے کے بعد ہندو مذہب کی صداقت مانی یوں ارتداد کا ارتکاب کیا اس لیے اسے قتل کر دیا گیا۔ سکندر لودھی نے تمام علما کو شاہی نوازشوں سے مالامال کر دیا۔[31] یودھن کے ارتداد کا فتویٰ اس تناظر میں کہ اس نے مسلمانوں کے مذہب اور ہندو مذہب دونوں کو برحق مانا ہے دینی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا۔ اس پر ہندو مذہب کے پنڈتوں کو تو اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس نے ہندو ہو کر اسلام کو کس طرح سچ کہا مگر اس پر علما کا اعتراض تو اپنے اندر زیادہ وزن نہیں رکھتا، محض تاویلات کی بنا پر کسی کو مرتد قرار دینا صرف ظاہر پرستی ہے۔

نتیجہ بحث

یہ بات درست ہے کہ سکندر لودھی سخت طبیعت کا مالک تھا، اس نے کئی حوالوں سے غیر مسلموں سے ناروا سلوک بھی کیا، تاہم بحیثیتِ مجموعی اس کا عہدِ حکومت سماجی ترقی اور مذہبی رواداری کے حوالے سے قابلِ تعریف عہدِ حکومت ہے۔ جیسے آج انگریزی کا دور دورہ ہے، اس دور میں فارسی کو اہمیت حاصل تھی، مسلم سلاطین نے بلا تعصب غیر مسلموں کو وقت کی زبان سیکھنے کے لیے کہا، جیسا کہ سلطان سکندر لودھی نے ہندوؤں کے علوم میں دلچسپی کا اظہار کیا اور ساتھ ہی ہندوؤں کو فارسی کی تعلیم کی ترغیب دی۔ سکندر لودھی نے ہندوؤں کے نہان کی جگھوں میں مساجد، مدرسے اور بازار قائم کیے، سپاہیوں کو تعلیم پر مجبور کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں میں بھی عام طور پر فارسی تعلیم رائج ہو گئی۔ سکندر لودھی نے ہندوؤں کو سرکاری ملازمتیں دیں۔ سنسکرت کی کتابوں کا فارسی میں ترجمہ کیا گیا۔ ہندو ادبائے فارسی میں پنڈت ڈونگر مل سکندر لودھی کے زمانے ہی میں تھے۔ ان کی فارسی زبان دانی پر مسلمان بھی تعجب کا اظہار کرتے تھے۔ زیر بحث دور میں غیر مسلموں کے لیے فتاویٰ غیر جانبداری سے دیے گئے۔ عہد سلطنت میں ہندوؤں کے مذہبی خیالات کی تبلیغ و اشاعت پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ خود بعض اکابر مسلمان ہندو مذہب کی گہرائیوں کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ چودھویں صدی کے آخر میں بھگتی تحریک سے یہ بات نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے کہ اس وقت کی حکومت نے مذہبی خیالات کی نشر و اشاعت میں مانع ہونا پسند نہیں کیا۔ کبیر، گرو نانک، سندر داس وغیرہ کی زندگیاں اور ان کے کارنامے مسلمان بادشاہوں کی مذہبی رواداری کے پس منظر میں سمجھے جاسکتے ہیں۔

---

[31] فرشتہ، تاریخ فرشتہ، 2:70۔